مشنری اڈولف مابیل نامی اپنی بیوی سمیت وہاں جا کر رہا اور پورے ۳۴ سال وہیں گزار دیے۔ اس نے وہاں ایک نارمل اسکول قائم کر کے اساتذہ تیار کرنے شروع کیے۔ اس مدرسہ کی ابتداء صرف تین آدمیوں سے ہوئی تھی۔ بعد میں اس سے اتنے اساتذہ تیار ہوئے کہ سارے ملک میں تعلیم دینے کے لیے پھیل گئے۔ پھر اس نے بائیبل اسکول اور دینیات کی تعلیم کا مدرسہ قائم کیا اور ایک مطبع کھولا اور ایک رسالہ نکالا جس کو ابتدءً وہ خود ہی لکھتا اور خود چھاپتا تھا۔ پھر اس نے سات آدمیوں کی مدد سے بائیبل کا ترجمہ شروع کیا، اور بیس سال کی لگاتار محنت کے بعد اس کو مکمل کر کے چھوڑا۔ وہ اپنے حالات میں لکھتا ہے کہ ہر کتاب کا ترجمہ مکمل کرنے کے بعد ہم اس پر کئی کئی مرتبہ نظر ڈالتے اور اگر اطمینان نہ ہوتا تو اس کو ردی کر کے پھر ترجمہ کرتے۔ بعض اوقات ہم کو ایک ایک کتاب کا ترجمہ چار چار مرتبہ کرنا پڑا۔ اس محنت شاقہ کے ساتھ ۱۳ تبلیغی مراکز اور ۱۳ مدرسوں کی نگرانی بھی وہ خود کرتا تھا۔ رسالے اور پریس کا کام بھی انجام دیتا تھا اور چار گھنٹے روزانہ پڑھاتا بھی تھا۔

ایک دوسرے شخص ڈاکٹر ایڈورڈ اسٹیر کا کارنامہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے۔ یہ لندن یونیورسٹی کا گریجویٹ، قانون کا ڈاکٹر، فنِ قانون کی مہارت میں سونے کا تمغہ پائے ہوئے تھا۔ باپ چاہتا تھا کہ بیرسٹری کرے، مگر اس نے فلسفہ والٰہیات کا مطالعہ کیا اور اپنی زندگی مسیحیت کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ ۱۸۶۴ء میں زنجبار کے بشپ ٹوزر کے ساتھ مشرقی افریقہ گیا اور وہاں ایک مدرسہ جاری کیا جس میں ابتداءً صرف پانچ زنگی لڑکے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے سواحلی زبان سیکھنی شروع کی جو افریقہ کی سب سے زیادہ عام تجارتی زبان ہے اور براعظم کے اندرونی علاقوں میں دور دور تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس زبان میں کافی مہارت حاصل کرنے کے بعد اس نے پہلے متی کی انجیل کا ترجمہ کیا جو ۱۸۶۹ء میں لندن سے شائع ہوا، پھر ۱۸۸۲ء میں وہ پورے عہد نامہ جدید کا ترجمہ لے کر خود انگلستان گیا اور اسے اپنی نگرانی میں طبع کرایا۔ اس کے بعد اس نے عہدِ عتیق کا ترجمہ شروع کیا، مگر عمر نے وفا نہ کی۔ ایک روز اچانک وہ اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا۔ اس کی میز پر ترجمہ کا مسودہ پڑا ہوا تھا اور آئندہ کام جاری رکھنے کے لیے ہدایات لکھی ہوئی موجود تھیں۔

سیموئیل پولرڈ بھی اسی طرح کا ایک صاحبِ عزم مشنری تھا۔ ۱۸۸۷ء سے چین میں تبلیغِ مسیحیت کر رہا تھا۔ ۱۹۰۴ء میں چین کے ایک نیم وحشی قبیلہ میاؤ سے اس کے تعلقات ہوئے اور اُس نے ۴۰ برس کی عمر میں ان کی زبان سیکھنی شروع کی۔ ان کی زبان میں تحریر کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اس نے ایک آسان سا رسم الخط ایجاد کیا اور قلیل مدت میں سینکڑوں آدمیوں کو لکھا پڑھا دیا۔ پھر اس نے عہد نامۂ جدید کا ترجمہ ان کی زبان میں شروع کیا۔ ۱۹۰۷ء میں مرقس کی انجیل شائع کی۔ ۱۹۱۵ء میں پورا عہد نامۂ جدید شائع کر دیا۔ آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ قضا کا پیغام آ گیا۔ اپنے حالات میں لکھتا ہے کہ "میرے لیے

اس سے بڑھ کر خوشی کی کوئی بات نہیں کہ یہ لوگ سب سے پہلے جس کتاب کو پڑھیں گے وہ مسیح کی کتاب ہوگی۔"

آپ دیکھ رہے ہیں کہ مسیحیّت اپنی کمزوریوں کے باوجود دنیا کے ہر حصّہ میں پھیلتی چلی جارہی ہے اور آبادیاں کی آبادیاں کلیسا کے دائرے میں داخل ہورہی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو ظاہر میں سب کو نظر آتی ہے، یعنی عیسائی قوموں کی دولت، اُن کے تمدّنی اثرات اور اُن کی سیاسی طاقت، لیکن اس ظاہر کی تہ میں جو ایثار، جو قربانیاں، جو فداکاریاں، جو حیرت انگیز محنتیں اور کوششیں کام کررہی ہیں، ان کا حال کم لوگوں کو معلوم ہے، حالانکہ درحقیقت مسیحیت کے پھیلنے میں عیسائی قوموں کی مادّی طاقتوں کا اتنا حصّہ نہیں ہے، جتنا عیسائی مشنریوں کی ان محنتوں اور پر خلوص جدوجہد کا حصّہ ہے۔ اگر ان میں خدمت دین کا یہ زبردست جذبہ نہ ہوتا تو محض دولت اور تمدّن اور سیاسی قوّت کے بل پر مسیحیّت کو کبھی یہ فروغ نصیب نہ ہوتا۔

یہ دنیا دارالعمل ہے۔ یہاں کا قانون یہی ہے کہ جو اپنے مقصد کے لیے جان و مال اور آرام و آسائش کو قربان کرے گا، وہی کامیاب ہوگا۔

غور تو کیجیے کہ ایک مشنری انگلستان جیسے متمدّن ملک میں پیدا ہوتا ہے، عیش و عشرت کے ماحول میں آنکھیں کھولتا ہے، اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرتا ہے۔ مادّی ترقیوں کے امکانات اُس کے استقبال کو موجود ہوتے ہیں، مگر وہ ان سب کو چھوڑ کر اپنے وطن سے دور صحراؤں میں انتہا درجہ کی وحشی قوموں کے درمیان جا بستا ہے جہاں کی ہر چیز اس کے مزاج، اس کی عادات اور اس کے ذہنی و جسمانی مالوفات کے بالکل خلاف ہے۔ اس وحشت کی دنیا میں یہ متمدن اور تعلیم یافتہ انسان سال دو سال نہیں تیس تیس اور چالیس چالیس سال گزار دیتا ہے۔ جوان جاتا ہے اور بوڑھا واپس آتا ہے، بلکہ بسا اوقات اس کو پھر اپنا وطن دیکھنا نصیب ہی نہیں ہوتا۔ وہ ان وحشی قوموں میں اس طرح رہتا ہے جیسے ان ہی میں کا ایک آدمی ہے۔ لگاتار محنتوں سے اُن کے توحش کو دور کرکے ان میں علم کا شوق اور مذہب کا ذوق پیدا کرتا ہے۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس سے جو زمینیں بنجر پڑی ہوئی ہیں، ان میں آبپاشیاں اور تخم ریزیاں کرتا ہے اور ہزار مرتبہ ناکامیوں سے دوچار ہونے کے بعد بھی ہمت نہیں ہارتا، مایوس نہیں ہوتا، پھر محنت کرتا ہے اور پھر کوشش کرتا ہے۔ کیا یہ قربانیاں اور محنتیں رائگاں جاسکتی ہیں؟ کیا ایسے اولوالعزم اور اپنے مقصد کے پیچھے جانیں لڑا دینے والے لوگ ناکام رہ سکتے ہیں؟ اگر کامیابیاں ایسے لوگوں کے قدم نہ چومیں گی تو کیا ان لوگوں کی قدمبوسی کریں گی جو صرف زبان سے مذہب پر جان دیتے ہیں، مگر اپنے کسی فائدے اور کسی لذّت اور کسی لطف کو اس پر قربان کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مسندوں پر

گاؤ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں۔ معتقدوں اور شاگردوں سے خدمتیں لیتے ہیں۔ بہتر سے بہتر کھانے اور عمدہ سے عمدہ لباس اور اچھے سے اچھے مکان کے بغیر گزر نہیں کر سکتے۔ عقیدت مندوں کے جھمگٹ میں بیٹھ کر تقریریں کرتے ہیں۔ ہر طرف سے احسنت و مرحبا کے شور سنتے ہیں اور اس زندگی کو سمجھتے ہیں کہ یہ دین کی خدمت میں بسر ہو رہی ہے۔

عیسائی تو اس جوش، خلوص اور محنت کے ساتھ اس کتاب کی خدمت کر رہے ہیں جس کے محرف ہونے کا خود ان کو بھی علم ہے۔ وہ بھی جانتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے۔ مسیح کا کلام بھی نہیں ہے، مسیح کے خاص حواریوں کا کلام بھی نہیں ہے، بلکہ جن کی طرف منسوب ہے، ان کی طرف بھی اس کی نسبت مشکوک ہے۔ بخلاف اس کے ہمارے پاس وہ کتاب ہے جس کے خاص کلام الٰہی ہونے کا ہم کو علم اور یقین ہے۔ ہم جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ کتاب رحمت کا منبع اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ دنیا جس آبِ حیات کی پیاسی ہے اور جس کے دھوکے میں ہر سراب کی طرف دوڑ رہی ہے، وہ دراصل اسی سرچشمہ کا پانی ہے، مگر ہم کو گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھنا چاہیے کہ اس کتاب کے نور کو پھیلانے کے لیے ہم کیا کوشش کر رہے ہیں؟ عیسائیوں میں اڈولف مابیل اور ڈاکٹر اسٹیر جیسے سینکڑوں موجود ہیں، مگر ہم ان کا سا ایک آدمی بھی نہیں رکھتے۔ عیسائی ۶۷۸ زبانوں میں بائبل کا ترجمہ شائع کرتے ہیں، مگر قرآن مجید کے تراجم اب تک شائد دو درجن سے زیادہ زبانوں میں نہیں ہوئے اور ان میں بھی بیشتر حصّہ عیسائیوں ہی کا ہے۔ عیسائیوں نے جتنے ترجمے شائع کیے ہیں، سب مستند اور معتبر ہیں اور ان کی صحت کا اطمینان کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے، مگر یہاں اردو اور فارسی کے سوا کسی زبان میں بھی کوئی قابل اطمینان ترجمہ نہیں ہو سکا ہے۔ عیسائیوں نے ان زبانوں تک میں ترجمے کر ڈالے ہیں جن کے بولنے والے ہزاروں سے زیادہ نہیں ہیں، مگر ہم نے ابھی تک ان زبانوں میں بھی قرآن کا ترجمہ نہیں کیا جن کے بولنے والے کروڑوں میں ہیں[۶]۔ حد یہ ہے کہ ہم نے آج تک انگریزی زبان میں بھی کوئی صحیح اور معتبر ترجمہ شائع نہیں کیا، حالانکہ ہمارے پاس اس کے ذرائع کا فقدان نہیں ہے، اور اغیار تو درکنار خود ہماری اپنی ملّت کے ہزاروں تعلیم یافتہ اشخاص اس ترجمے کے حاجت مند ہیں۔ عیسائیوں نے وحشی زبانوں تک کو خاص بائبل کے ترجمے کے لیے ادبی اور تعلیمی زبان بنا دیا، مگر ہم نے ان زبانوں کو بھی قرآن کے علم سے بہرہ مند نہ کیا جو پہلے سے ادبی اور تعلیمی زبانیں ہیں۔ اس تفاوت عظیم کے باوجود اگر آج اسلام مسیحیّت کا کامیاب مقابلہ کر رہا ہے اور اکثر میدانوں میں اسے شکست دے رہا ہے تو یہ صرف اس لیے ہے کہ اسلام کو مسیحیّت پر بالذات فوقیّت حاصل ہے۔ رہے مسلمان اور مسیحی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ خدمت دین کے حوالے سے مسیحی مسلمانوں کے مقابلہ میں ہزار درجہ بلکہ لاکھ درجہ زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ (ترجمان القرآن، اگست ۱۹۳۴ء)